تقریر

تقریر بابت مسیح موعودؑ
وقت 5-7منٹ

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو پند و نصائح

(ملفوظات جلد 6ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر7)

اللہ تعالیٰ قرآنِ شریف میں فرماتا ہے۔

الٓـمّٓ۔ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ:1-4)

اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ: میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ یہ ’’وہ‘‘ کتاب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت دینے والی ہے متقیوں کو۔ جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم انہیں رزق دیتے ہیں اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

آسماں پر دعوتِ حق کیلئے اک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اتار
باغ میں ملت کے ہے کوئی گلِ رعنا کھلا
آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار

معزز سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بطور حَکَم و عَدل اور نبیؐ، مجدّد اور مصلح کے آپؑ کے ملفوظات، ارشادات ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ جو ملفوظات کے نام سے دس جلدوں میں اکھٹے کر دئے گئے ہیں۔ خاکسار ’’مشاہدات‘‘ کے تحت تقاریر کی صورت میں روزمرّہ تربیتی نصائح کو اکٹھا کر رہا ہے۔ آج 1984ء ایڈیشن کی ملفوظات کی جلد نمبر 6 میں درج پند و نصائح تقریر نمبر 7 کی صورت میں پیش ہے۔

ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

’’ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لینا جبکہ ابھی علم کمال تک نہیں پہنچا اور شکوک اور شبہات سے ہنوز لڑائی ہے۔ پس جو شخص ایمان لاتا ہے یعنی باوجود کمزوری اور نہ مہیا ہونے کُل اسبابِ یقین کے اس بات کو اغلب احتمال کی وجہ سے قبول کر لیتا ہے وہ حضرتِ احدیّت میں صادق اور راست باز شمار کیا جاتا ہے اور پھر اس کو موہبت کے طور پر معرفتِ تامّہ حاصل ہوتی ہے اور ایمان کے بعد عرفان کا جام اس کو پلایا جاتا ہے۔ اس لیے ایک مردِ متقی رسولوں اور نبیوں اور مامورین من اللہ کی دعوت کو سن کر ہر ایک پہلو پر ابتداء امر میں ہی حملہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ حصّہ جو کسی مامور من اللہ ہونے پر بعض صاف اور کھلے کھلے دلائل سے سمجھ آجاتا ہے اسی کو اپنے اقرار اور ایمان کا ذریعہ ٹھہرالیتا ہے اور وہ حصّہ جو سمجھ نہیں آتا اس میں سُنّتِ صالحین کے طور پر استعارات اور مجازات قرار دیتا ہے اور اس طرح تناقص کو درمیان سے اٹھا کر صفائی اور اخلاص کے ساتھ ایمان لے آتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ اس کی حالت پر رحم کر کے اور اس کے ایمان پر راضی ہو کر اس کی دعاؤں کو سُن کر معرفت تامّہ کا دروازہ اُس پر کھولتا ہے اور الہام اور کشوف کے ذریعہ سے اور دوسرے آسمانی نشانوں کے وسیلہ سے یقینِ کامل تک اس کو پہنچاتا ہے۔ لیکن متعصّب آدمی جو عناد سے پُر ہوتا ہے ایسا نہیں کرتا اور نہ وہ ان امور کو جو حق کے پہچاننے کا ذریعہ ہوسکتے ہیں تحقیر اور توہین کی نظر سے دیکھتا ہے اور ٹھٹے اور ہنسی میں ان کو اُڑا دیتا ہے اور وہ امور جو ہنوز اس پر مشتبہ ہیں ان کو اعتراض کرنے کی دستاویز بناتا ہے اور ظالم طبع لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ ہر ایک نبی کی نسبت جو پہلے نبیوں نے پیشگوئیاں کیں اُن کے ہمیشہ دو حصّے ہوتے رہے ہیں۔ ایک بیّنات اور محکمات جن میں کوئی استعارہ نہ تھا اور کسی تاویل کی محتاج نہ تھیں اور ایک متشابہات جو محتاجِ تاویل تھیں اور بعض استعارات اور مجازات کے پردے میں محجوب تھیں پھر ان نبیوں کے ظہور اور بعثت کے وقت جو اُن پیشگوئیوں کے محتاج تھے دو فریق ہوتے رہے

ہیں۔ ایک فریق سعیدوں کا جنہوں نے بیّنات کو دیکھ کر ایمان لانے میں تاخیر نہ کی اور جو حصّہ متشابہات کا تھا اس کو استعارات اور مجازات کے رنگ میں سمجھ لیا۔ آئندہ کے منتظر رہے اور اس طرح پر حق کو پالیا اور ٹھوکر نہ کھائی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی ایسا ہی ہوا۔ پہلی کتابوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت دو طور کی پیش گوئیاں تھیں۔ ایک یہ کہ وہ مسکینوں اور عاجزوں کے پیرایہ میں ظاہر ہوگا اور غیر سلطنت کے زمانہ میں آئے گا اور داؤد کی نسل سے ہوگا اور حلم اور نرمی سے کام لے گا اور نشان دکھلائے گا اور دوسری قسم کی یہ پیش گوئیاں تھیں کہ وہ بادشاہ ہوگا اور بادشاہوں کی طرح لڑے گا اور یہودیوں کو غیر سلطنت کی ماتحتی سے چھڑا دے گا اور اس سے پہلے ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آئے گا اور جب تک ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں نہ آوے وہ نہیں آئے گا۔ پھر جب حضرت عیسیٰؑ نے ظہور فرمایا تو یہود دو فریق ہوگئے۔ ایک فریق جو بہت ہی کم اور قلیل التعداد تھا اُس نے حضرت مسیحؑ کو داؤد کی نسل سے پاکر اور پھر ان کی مسکینی اور عاجزی اور راست بازی کو دیکھ کر اور پھر آسمانی نشانوں کو ملاحظہ کرکے اور نیز زمانہ موجودہ کو دیکھ کر کہ وہ ایک نبی مصلح کو چاہتی ہے اور پہلی پیشگوئیوں کے قرارداد وقتوں کا مقابلہ کرکے یقین کرلیا کہ یہ وہی نبی ہے جس کا اسرائیل کی قوم کو وعدہ دیا گیا تھا۔ سو وہ حضرت مسیح پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ ہو کر طرح طرح کے دُکھ اُٹھائے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک اپنا صدق ظاہر کیا۔ لیکن جو بدبختوں کا گروہ تھا اس نے کھلی کھلی علامتوں اور نشانوں کی طرف ذرہ التفات نہ کیا یہاں تک کہ زمانہ کی حالت پر بھی ایک نظر نہ ڈالی اور شریرانہ حجّت بازی کے ارادے سے دوسرے حصّہ کو جو متشابہات کا حصہ تھا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور نہایت گستاخی سے اس مقدّس کو گالیاں دینی شروع کیں اور اس کا نام ملحد اور بے دین اور کافر رکھا اور یہ کہا کہ یہ شخص پاک نوشتوں کے الٹے معنے کرتا ہے اور اس نے ناحق ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کی تاویل کی ہے اور نصّ صریح کو اس کے ظاہر سے پھیرا ہے اور ہمارے علماء کو مکّار اور ریاکار کہتا ہے اور کتبِ مقدّسہ کے اُلٹے معنی کرتا ہے اور نہایت شرارت سے اس بات پر زور دیا کہ نبیوں کی پیش گوئیوں کا ایک حرف بھی صادق نہیں آتا۔ وہ نہ بادشاہ ہو کر آیا اور نہ غیر قوموں سے لڑا اور نہ ہم کو ان کے ہاتھ سے چھوڑایا اور نہ اس سے پہلے ایلیا نبی نازل ہوا پھر وہ مسیح موعود کیوں کر ہو گیا۔

غرض اِن بدقسمت شریروں نے سچائی کے انوار اور علامات پر نظر ڈالنا نہ چاہا اور جو حصّہ متشابہات کا پیش گوئیوں میں تھا اس کو ظاہر پر حمل کرکے بار بار پیش کیا۔ یہی ابتلاء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اکثر یہودیوں کو پیش آیا۔ اُنھوں نے بھی اپنے اسلاف کی عادت کے موافق نبیوں کی پیش گوئیوں کے اس حصّہ سے فائدہ اُٹھانا نہ چاہا جو بیّنات کا حصّہ تھا اور متشابہات جو استعارات تھے اپنی آنکھ کے سامنے رکھ کر یا تحریف شدہ پیشگوئیوں پر زور دے کر اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دولتِ اطاعت سے جو سیّد الکونین ہے محروم رہ گئے اور اکثر عیسائیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ انجیل کی کھلی کھلی پیشگوئیاں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھیں اُن کو تو ہاتھ تک نہ لگایا اور جو سنت اللہ کے موافق پیش گوئیوں کا حصّہ یعنی استعارات اور مجازات تھے ان پر گر پڑے۔ اس لیے حقیقت کی طرف راہ نہ پاسکے۔ لیکن ان میں سے وہ لوگ جو حق کے طالب تھے اور جو پیش گوئیوں کی تحریر میں طرز و عادتِ الٰہی ہے اس سے واقف تھے انہوں نے انجیل کی ان پیشگوئیوں سے جو آنے والے بزرگ نبی کے بارے میں تھیں فائدہ اٹھایا اور مشرف با اسلام ہوئے اور جس طرح یہود میں سے ایک گروہ نے جو حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائے تھے پیش گوئیوں کے بیّنات سے دلیل پکڑی تھی اور متشابہات کو چھوڑ دیا تھا ایسا ہی ان بزرگ عیسائیوں نے بھی کیا اور ہزار ہا نیک بخت انسان ان میں سے اسلام میں داخل ہوئے۔ غرض ان دونوں قوموں یہود و نصاریٰ میں سے جس گروہ نے متشابہات پر جم کر انکار پر زور دیا اور بیّنات پیش گوئیوں سے جو ظہور میں آئیں فائدہ نہ اٹھایا ان دونوں گروہ کا قرآنِ شریف میں جابجا ذکر ہے اور یہ ذکر اس لیے کیا گیا کہ تا ان کی بدبختی کے ملاحظہ سے مسلمانوں کو سبق حاصل ہو اور اس بات سے متنبّہ رہیں کہ یہود و نصاریٰ کی مانند بیّنات کو چھوڑ کر اور متشابہات میں پڑ کر ہلاک نہ ہو جائیں اور ایسی پیشگوئیوں کے بارے میں جو مامور من اللہ کے لیے پہلے سے بیان کی جاتی ہیں امید نہ رکھیں کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کی رُو سے ظاہری طور پر ہی پوری ہوں گی بلکہ اس بات کے ماننے کے لیے تیار رہیں کہ قدیم سنت اللہ کے موافق بعض حصّے ایسی پیش گوئیوں کے استعارات اور مجازات کے رنگ میں بھی ہوتے ہیں اور اسی رنگ میں وہ پوری بھی ہو جاتی ہیں۔ مگر غافل اور سطحی خیال کے انسان ہنوز انتظار میں لگے رہتے ہیں کہ گویا ابھی وہ باتیں پوری نہیں ہوئیں بلکہ آئندہ ہوں گی۔ جیسا کہ یہود ابھی تک اس بات کو روتے ہیں کہ ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آئے گا اور پھر ان کا مسیح موعود بڑے بادشاہ کی طرح ظاہر ہوگا اور یہودیوں کو امارت اور حکومت بخشے گا۔ حالانکہ یہ سب باتیں پوری ہو چکیں اور اس پر انیس سو برس کے قریب عرصہ گزر گیا اور آنے والا آ بھی گیا اور اس دنیا سے اٹھایا بھی گیا۔

یہ بات نہایت کار آمد اور یاد رکھنے کے لائق تھی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مامور ہو کر آتے ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی یا محدّث اور مجدّد ان کی نسبت جو پہلی کتابوں میں یا رسولوں کی معرفت پیش گوئیاں کی جاتی ہیں ان کے دو حصّے ہوتے ہیں۔ ایک وہ علامات جو ظاہری طور پر وقوع میں آتی ہیں اور ایک متشابہات جو استعارات اور مجازات کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ پس جن کے دلوں میں زیغ اور کجی ہوتی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور طالب صادق بیّنات اور محکمات سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہود اور عیسائیوں کو یہ ابتلاء پیش آچکے ہیں پس مسلمانوں کے اولوالابصار کو چاہیے کہ اُن سے عبرت پکڑیں اور صرف متشابہات پر نظر رکھ کر تکذیب میں جلدی نہ کریں اور جو

باتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے کھل جائیں ان سے اپنی ہدایت کے لیے فائدہ اٹھائیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ شک یقین کو رفع نہیں کر سکتا۔ پس پیشگوئیوں کا دوسرا حصہ جو ظاہری طور پر ابھی پورا نہیں ہوا وہ ایک امر شکّی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایلیا کے دوبارہ آنے کی طرح وہ حصہ استعارہ یا مجاز کے رنگ میں پورا ہو گیا ہو مگر انتظار کرنے والا اس غلطی میں پڑا ہو کہ وہ ظاہری طور پر کسی دن پورا ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض احادیث کے الفاظ محفوظ نہ رہے ہوں۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ وحیِ متلوّ کی طرح نہیں اور اکثر احادیث احاد کا مجموعہ ہے۔ اعتقادی امر تو الگ بات ہے جو چاہو اعتقاد رکھو مگر واقعی اور حقیقی فیصلہ یہی ہے کہ احاد میں عند العقل امکان تغیّرِ الفاظ ہے۔ چنانچہ ایک ہی حدیث جو مختلف طریقوں اور مختلف زاویوں سے پہنچتی ہے اکثر ان کے الفاظ اور ترتیب میں بہت سا فرق ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ ایک ہی وقت میں ایک ہی منہ سے نکلی ہے۔ پس صاف سمجھ آتا ہے کہ چونکہ اکثر راویوں کے الفاظ اور طرزِ بیان جُدا جُدا ہوتے ہیں اس لیے اختلاف پڑ جاتا ہے اور نیز پیش گوئیوں کے متشابہات کے حصّہ میں یہ بھی ممکن ہے کہ بعض واقعات پیش گوئیوں کے جن کا ایک ہی دفعہ ظاہر ہونا امید رکھا گیا ہے وہ تدریجاً ظاہر ہوں یا کسی اور شخص کے واسطہ سے ظاہر ہوں جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی کہ قیصر وکسریٰ کے خزانوں کی کُنجیاں آپؐ کے ہاتھ پر رکھی گئی ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ پیشگوئی کے ظہور سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے تھے اور آنجناب نے نہ قیصر وکسریٰ کے خزانوں کو دیکھا اور نہ کُنجیاں دیکھیں مگر چونکہ مقدّر تھا کہ وہ کُنجیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وجود ظلّی طور پر گویا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہی تھا اس لیے عالَمِ وحی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ قرار دیا گیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دھوکہ کھانے والے اسی مقام پر دھوکہ کھاتے ہیں وہ اپنی بدقسمتی سے پیش گوئی کے ہر حصّہ کی نسبت یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ ظاہری طور پر پورا ہوگا اور پھر جب وقت آتا ہے اور کوئی مامور من اللہ آتا ہے تو جو علامتیں اس کے صدق کی نسبت ظاہر ہو جائیں ان کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے اور جو علامتیں ظاہری صورت میں پوری نہ ہوں یا ابھی ان کا وقت نہ آیا ہو، ان کو بار بار پیش کرتے ہیں۔ ہلاک شدہ امتیں جنہوں نے سچے نبیوں کو نہیں مانا ان کی ہلاکت کا اصل موجب یہی تھا۔ اپنے زعم میں تو وہ لوگ اپنے تئیں بڑے ہوشیار جانتے رہے ہیں مگر ان کے اس طریق نے قبولِ حق سے ان کو بے نصیب رکھا۔

یہ عجیب ہے کہ پیشگوئیوں کی نافہمی کے بارے میں جو کچھ پہلے زمانہ میں یہود اور نصاریٰ سے وقوع میں آیا اور انہوں نے سچوں کو قبول نہ کیا۔ ایسا ہی میری قوم مسلمانوں نے میرے ساتھ معاملہ کیا۔ یہ تو ضروری تھا کہ قدیم سنت اللہ کے موافق وہ پیش گوئیاں جو مسیح موعود کے بارے میں کی گئیں وہ بھی دو حصّوں پر مشتمل ہوتیں۔ ایک حصّہ بیّنات کا جو اپنی ظاہری صورت پر واقع ہونے والا تھا اور ایک حصّہ متشابہات کا جو استعارات اور مجازات کے رنگ میں تھا۔ لیکن افسوس کہ اس قوم نے بھی پہلے خطا کار لوگوں کے قدم پر قدم مارا اور متشابہات پر اَڑ کر ان بیانات کو ردّ کر دیا جو نہایت صفائی سے پوری ہو گئی تھیں حالانکہ شرطِ تقویٰ یہ تھی کہ پہلی قوموں کے ابتلاؤں کو یاد کرتے، متشابہات پر زور نہ مارتے اور بیّنات سے یعنی ان باتوں اور ان علامتوں سے جو روزِ روشن کی طرح کھل گئی تھیں فائدہ اٹھاتے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی وہ پیشگوئیاں پیش کی جاتی ہیں جن کے اکثر حصّے نہایت صفائی سے پورے ہو چکے ہیں تو نہایت لاپرواہی سے اُن سے منہ پھیر لیتے ہیں اور پیش گوئیوں کی بعض باتیں جو استعارات کے رنگ میں تھیں پیش کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حصّہ پیش گوئیوں کا کیوں ظاہری طور پر پورا نہیں ہوا اور بایں ہمہ جب پہلے مکذّبوں کا ذکر آوے جنہوں نے بعینہٖ ان لوگوں کی طرح واقع شدہ علامتوں پر نظر نہ کی اور متشابہات کا حصّہ جو پیش گوئیوں میں تھا اور استعارات کے رنگ میں تھا اس کو دیکھ کر وہ ظاہری طور پر پورا نہیں ہوا حق کو قبول نہ کیا۔ تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم ان کے زمانہ میں ہوتے تو ایسا نہ کرتے حالانکہ اب یہ لوگ ایسا ہی کر رہے ہیں جیسا کہ ان پہلے مکذّبوں نے کیا۔ جن ثابت شدہ علامتوں اور نشانوں سے قبول کرنے کی روشنی پیدا ہو سکتی ہے ان کو قبول نہیں کرتے اور جو اشتہارات اور مجازات اور متشابہات ہیں ان کو ہاتھ میں لیے پھرتے ہیں اور عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ باتیں پوری نہیں ہوئیں۔ حالانکہ سُنَّتُ اللہ کی تعلیم کے طریق کے موافق ضرور تھا کہ وہ باتیں اس طرح پوری نہ ہوتیں جس طرح ان کا خیال ہے یعنی ظاہری اور جسمانی صورت پر۔ بے شک ایک حصّہ ظاہری طور پر اور ایک حصّہ مخفی طور پر پورا ہو گیا لیکن اس زمانہ کے متعصّب لوگوں کے دلوں نے نہیں چاہا کہ قبول کریں۔ وہ تو ہر ایک ثبوت کو دیکھ کر منہ پھیر لیتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کو انسان کی مکّاری خیال کرتے ہیں۔ جب خدائے قدوس کے پاک الہاموں کو سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انسان کا افتراء ہے مگر اس بات کا جواب نہیں دے سکتے کہ کیا کبھی خدا پر افتراء کرنے والے کو مفتریات کے پھیلانے کے لیے وہ مہلت ملی جو سچے ملہموں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی۔ کیا خدا تعالیٰ نے نہیں کہا کہ الہام کا افتراء کے طور پر دعویٰ کرنے والے ہلاک کیے جائیں گے اور خدا پر جھوٹ بولنے والے پکڑے جائیں گے۔ یہ توارت میں بھی ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جائے گا اور انجیل میں بھی ہے کہ جھوٹا جلد فنا ہوگا اور اس کی جماعت متفرّق ہو جائے گی۔ کیا کوئی ایک نظیر بھی ہے کہ جھوٹے مُلہَم نے جو خدا پر افتراء کرنے والا تھا ایامِ افترا میں وہ عمر پائی جو اس عاجز کو ایامِ دعوت الہام میں ملی؟ بھلا اگر کوئی نظیر ہے تو پیش کرو۔ مَیں نہایت پُر زور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ دنیا کی ابتداء سے آج تک ایک نظیر بھی نہیں ملے گی۔ پس کیا کوئی ایسا ہے کہ اس محکم اور قطعی

دلیل سے فائدہ اٹھاوے اور خدا تعالیٰ سے ڈرے۔ مَیں نہیں کہتا کہ بُت پرست عمر نہیں پاتے یا دہریہ یا اَنَا الْحَقّ کہنے والے جلد پکڑے جاتے ہیں کیونکہ ان غلطیوں اور ضلالتوں کی سزا دینے کے لیے دوسرا عالم ہے۔ لیکن مَیں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص خدا تعالیٰ پر الہام کا افتراء کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ الہام مجھ کو ہوا۔ حالانکہ جانتا ہے کہ وہ الہام اُس کو نہیں ہوا وہ جلد پکڑا جاتا ہے اور اس کی عمر کے دن بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ قرآن اور انجیل اور توریت نے یہی گواہی دی ہے۔ عقل بھی یہی گواہی دیتی ہے اور اس کے مخالف کوئی منکر کسی تاریخ کے حوالہ سے ایک نظیر بھی پیش نہیں کر سکتا اور نہیں دکھلا سکتا کہ کوئی جھوٹا الہام کا دعویٰ کرنے والا پچیس برس تک یا اٹھارہ برس تک جھوٹے الہام دنیا میں پھیلاتا رہا اور جھوٹے طور پر خدا کا مقرب اور خدا کا مامور اور خدا کا فرستادہ اپنا نام رکھا اور اس کی تائید میں سال ہائے دراز تک اپنی طرف سے الہامات تراش کر مشہور کرتا اور پھر وہ باوجود ان مجرمانہ حرکات کے پکڑا نہ گیا۔ کیا امید کی جاتی ہے کہ کوئی ہمارا اس سوال کا جواب دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! ان کے دل جانتے ہیں کہ وہ ان سوالات کے جواب دینے سے عاجز ہیں مگر پھر بھی انکار سے باز نہیں آتے بلکہ بہت سے دلائل سے ان پر حجّت وارد ہوگئی مگر وہ خواب غفلت میں سو رہے ہیں۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 201-208)

متقی کی تعریف میں فرمایا:

"تقویٰ اس بات کا نام ہے کہ جب وہ دیکھے کہ مَیں گناہ میں پڑتا ہوں تو دعا اور تدبیر سے کام لیوے ورنہ نادان ہوگا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا۔ وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ (الطلاق:3-4) کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ ہر ایک مشکل اور تنگی سے نجات کی راہ اُس کے لیے پیدا کر دیتا ہے۔ متقی درحقیقت وہ ہے کہ جہاں تک اس کی قدرت اور طاقت ہے وہ تدبیر اور تجویز سے کام لیتا ہے جیسا کہ قرآن شریف کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الٓمّٓ۔ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ۔ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ (البقرہ:1-4)

ایمان بالغیب کے یہ معنی ہیں کہ وہ خدا سے اڑ نہیں باندھتے بلکہ جو بات پردۂ غیب میں ہو اس کو قرائن مرجّحہ کے لحاظ سے قبول کرتے ہیں اور دیکھ لیتے ہیں کہ صدق کے وجوہ کذب کے وجوہ پر غالب ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ انسان یہ خیال رکھے کہ آفتاب کی طرح ہر ایک عمل اس پر منکشف ہو جاوے مگر ایسا ہو تو پھر بتلاؤ کہ اس کے ثواب حاصل کرنے کا کون سا موقع ملا؟ کیا اگر ہم آفتاب کو دیکھ کر کہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے تو ہم کو ثواب ملتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس میں غیب کا پہلو کوئی بھی نہیں لیکن جب ملائکہ خدا اور قیامت وغیرہ پر ایمان لاتے ہیں تو ثواب ملتا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ ان پر ایمان لانے میں ایک پہلو غیب کا پڑا ہوا ہے۔ ایمان لانے کے لیے ضروری ہے کہ کچھ اخفا بھی ہو اور طالب حق چند قرائنِ صدق کے لحاظ سے ان باتوں کو مان لے۔

اور مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ کے یہ معنے ہیں کہ جو کچھ ہم نے اُن کو عقل، فکر، فہم، فراست اور رزق اور مال وغیرہ عطا کیا ہے اس میں سے خدا تعالیٰ کی راہ میں اس کے لیے صَرف کرتے ہیں یعنی فعل کے ساتھ بھی کوشش کرتے ہیں۔ پس جو شخص دعا اور کوشش سے مانگتا ہے وہ متقی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (الفاتحہ:5)۔ یاد رکھو کہ جو شخص پورے فہم اور عقل اور زور سے تلاش نہیں کرتا وہ خدا کے نزدیک ڈھونڈنے والا نہیں قرار پاتا اور اس طرح سے امتحان کرنے والا ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ کوششوں کے ساتھ دعا بھی کرتا ہے اور پھر اُسے کوئی لغزش ہوتی ہے تو خدا اُسے بچاتا ہے اور جو آسانی تَن کے ساتھ دروازہ پر آتا ہے اور امتحان لیتا ہے تو خدا کو اس کی پرواہ نہیں ہے۔ ابوجہل وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت تو نصیب ہوئی اور وہ کئی دفعہ آپؐ کے پاس آیا بھی لیکن چونکہ آزمائش کے لیے آتا رہا اس لیے گر گیا اور اسے ایمان نصیب نہ ہوا۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 218-219)

آخری فتح دعا سے ہے

فرمایا:

"مَیں دیکھتا ہوں کہ یہ زمانہ اس قسم کا آگیا ہے کہ انصاف اور دیانت سے کام نہیں لیا جاتا اور بہت ہی تھوڑے لوگ ہیں جن کے واسطے دلائل مفید ہو سکتے ہیں ورنہ دلائل کی پرواہ ہی نہیں کی جاتی اور قلم کام نہیں دیتا۔ ہم ایک کتاب یا رسالہ لکھتے ہیں مخالف اس کے جواب میں لکھنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے مَیں سمجھتا ہوں کہ دعا سے آخری فتح ہوگی اور انبیاء علیہم السلام کا یہی طرز رہا ہے کہ جب دلائل اور حُجج کام نہیں دیتے تو ان کا آخری حربہ دعا ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا وَاسۡتَفۡتَحُوۡا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ

عَنِيۡدٍ (ابراہیم:16)یعنی جب ایسا وقت آجاتا ہے کہ انبیاء اور رُسل کی بات لوگ نہیں مانتے تو پھر دعا کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے مخالف متکبّر و سرکش آخر نامراد اور ناکام ہو جاتے ہیں۔

ایسا ہی مسیح موعود کے متعلق جو یہ آیا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰهُمۡ جَمۡعًا (الکھف:100)اس سے بھی مسیح موعود کی دعاؤں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔نزول از آسمان کے یہی معنی ہیں کہ جب کوئی امر آسمان سے پیدا ہوتا ہے تو کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسے ردّ نہیں کر سکتا۔ آخری زمانہ میں شیطان کی ذریّت بہت جمع ہو جائے گی کیونکہ وہ شیطان کا آخری جنگ ہے مگر مسیح موعود کی دعائیں اس کو ہلاک کر دیں گی۔

اِسی طرح نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا جب حضرت نوحؑ تبلیغ کرتے کرتے تھک گئے تو آخر انہوں نے دعا کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طوفان آیا جس نے شریروں کو ہلاک کر دیا اور اس طرح پر فیصلہ ہو گیا۔ آخر اُن کی کشتی ایک پہاڑ پر جا ٹھہری جس کو اب **ارارات** کہتے ہیں۔ ارارات کی اصل یہ ہے اَرَا رات یعنی مَیں پہاڑ کی چوٹی کو دیکھتا ہوں۔ انہوں نے ایک پہاڑ کا سرا دیکھ کر کہا تھا اور اب اسی نام سے یہ مشہور ہو گیا اور بگڑ کر ارارات بن گیا۔ یہ زمانہ بھی نوح علیہ السلام کے زمانہ سے مشابہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے میرا نام بھی نوح رکھا ہے اور وہی الہام جو کشتی کا نوحؑ کو ہوا تھا یہاں بھی ہوا ہے۔ اسی طرح پر اب خدا تعالیٰ نے فیصلہ کرنا چاہا ہے اور حقیقت میں اگر ایسا نہ ہوتا تو ساری دنیا دہریہ ہو جاتی۔ اقبال اور کثرت نے دنیا کو اندھا کر دیا ہے۔''

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 322-324)

سامعین! نو مبائعین کو نصیحت کرتے ہوئے حضورؑ فرماتے ہیں:

''مذہب یہی ہے کہ انسان خوب غور کرے اور دیکھے اور عقل سے سوچے کہ وہ ہر آن میں خدا کا محتاج ہے اسکی طرف عجز سے انسان کی جان پر، مال پر، آبرو پر بڑے بڑے مصائب اور حملے ہوتے ہیں، لیکن سوائے خدا کے اور کوئی نجات دینے والا نہیں ہوتا اور ان موقعوں پر ہر ایک قسم کا فلسفہ خود بخود شکست کھا جاتا ہے جن لوگوں نے ایسے اصولوں پر قائم ہونا چاہا ہے کہ جن میں وہ خدا کی حاجت کو تسلیم نہیں کرتے۔ حتّٰی کہ انشاء اللہ بھی زبان سے نکالنا ان کے نزدیک معیوب ہے مگر پھر بھی جب موت کا وقت آتا ہے تو ان کو اپنے خیالات کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر آن میں اپنے ہر ایک ذرہ کے قیام کے لیے انسان کو خدا کی حاجت اور ضرورت ہے اور اگر وہ انانیت سے نکل کر غور سے دیکھے تو تجربہ سے اسے خود پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ کس قدر غلطی پر تھا اپنے آپ کو ہر آن میں خدا کا محتاج جاننا اور اس کے آستانہ پر سر رکھنا یہی اسلام ہے اور اگر کوئی مسلمان ہو کر اسلام کے طریق کو اختیار نہیں کرتا اور اس پر قدم نہیں مارتا تو پھر اس کا اسلام ہی کیا ہے؟ **اسلام نام ہے**۔ خدا کے آگے گردن جھکا دینے کا۔ ذرا سوچ کر دیکھو کہ اگر انسان کو ایک سوئی نہ ملے تو اس کا کس قدر حرج ہوتا ہے تو پھر کیا خدا کا وجود ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی ضرورت انسان کو نہ ہو اور اس کے وجود کے بغیر وہ زندہ رہ سکے۔ جب تک انسان کو صحت، مال، اقتدار حاصل ہوتا ہے تب تک تو اس کا یہ مذہب ہوتا ہے کہ اسباب پر توکّل اور بھروسہ نہ کرے اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا محتاج جانے۔ لیکن جب مصائب اور مشکلات آ کر پڑتے ہیں تو اس وقت یہ مذہب خود بخود بدلنا پڑتا ہے۔ اسی لیے جو لوگ مصائب اور شدائد کا نشانہ رہتے ہیں اُن کا مذہب ہی اور ہوتا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ایک ایسے وجود کی ضرورت ہے جو طاقت والا ہو اور ہمیں پناہ دے سکے۔

ایک صاحب محمد رمضان ہوتے تھے وہ خدا کے قائل نہ تھے مگر جب مرض الموت نے آ کر اُن کو پکڑا تو آخر اپنا مذہب بدلا اور اس وقت کہتے تھے کہ اگر ایک دفعہ مجھے تندرستی حاصل ہو جاوے تو مَیں پھر کبھی خدا کے وجود سے منکر نہ ہوں گا۔ اس لیے انسان کو لازم ہے کہ ہمیشہ غفلت سے پرہیز کرے اور اس ذات پر نظر رکھے جس کے بغیر ایک ذرہ کا قیام بھی مشکل ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے یہی معنے ہیں کہ انسان اس کی طرف بار بار رجوع کرے اور اسکے مقابلہ پر کسی اور وجود اَور شئے کو متصرّف اور مقتدر نہ جانے جو شخص ایک بکری رکھتا ہے تو اس سے اسی وقت مستفید ہوتا ہے۔ دودھ حاصل کرتا ہے لیکن جس نے خدا کا نام لے کر اس کی ضرورت کو بالکل محسوس نہ کیا اور نظرِ استخفاف سے اُسے دیکھا اور ایک فرضی بُت کی طرح اس کے وجود کو سمجھا تو خدا کو اس شخص کی کیا پرواہ ہے۔

انسان پر جو انقلابات آتے ہیں وہ اس ہستی کی ضرورت کو خود ثابت کرتے ہیں۔ اس جماعت میں داخل ہو کر اوّل تغیّر زندگی میں کرنا چاہئے کہ خدا پر ایمان سچا ہو کہ وہ ہر مصیبت میں کام آتا ہے۔ پھر اس کے احکام کو نظرِ خفت سے ہرگز نہ دیکھا جاوے بلکہ ایک ایک حکم کی تعظیم کی جاوے اور عملاً اس تعظیم کا ثبوت دیا جاوے مثلاً نماز کا حکم ہے۔ جب ایک شخص اسے بجالاتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے تو بعض لوگ اس سے تمسخر کرتے ہیں اور آج کل بہت لوگ نام کے مسلمان ہیں جو کہ ارکانِ نماز کی بجا آوری کو ایک بیہودہ حرکت کہتے ہیں لیکن ایک مومن کو ہرگز لازم نہیں کہ ان باتوں اور ہنسی اور استہزاء سے وہ اس کی ادائیگی کو ترک کرے۔ لوگوں کے ایسے خیالات اور خدا کے

احکام کو نظرِ استخفاف سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ عذاب کو چاہتا ہے۔ان لوگوں کی زندگی مُردوں کی سی ہے۔انبیاء کے سلسلہ پر کہ جس کے ذریعہ سے ایمان حاصل ہوتا ہے اُن کو ایمان نہیں ہے مگر ہم سچی اور حقیقی رویت سے گواہی دیتے ہیں کہ خدا برحق ہے اور سلسلہ انبیاء کا برحق ہے۔مرنے پر ان لوگوں کو پتہ لگے گا کہ جنت اور دوزخ سب کچھ جس سے آج یہ منکر ہیں، برحق ہے۔

جب سے آزادی کے خیالات اور تعلیم نے دلوں اور دماغوں میں جگہ لی ہے اُس وقت سے بہت بگاڑ پھیلا ہے۔خیالات ایسے پراگندہ ہوئے ہیں کہ شریعت کو خود ترمیم کرلیا ہے۔دنیا کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے۔شریعت نے ایک حد تک رعایتِ اسباب کی اجازت دی ہے۔مثلاً ایک قطعہ زمین کا ہو اور اُسے کاشت نہ کیا جاوے تو اس کی نسبت سوال ہوگا کہ کیوں کاشت نہ کیا؟ مگر بہمہ وجود اسباب پر سرنگوں ہونا اور اسی پر بھروسہ کرنا اور خدا پر توکّل چھوڑ دینا یہ شرک ہے اور گویا خدا کی ہستی سے انکار۔ رعایتِ اسباب اس حد تک کرنی چاہئے کہ شرک لازم نہ آوے۔ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہم رعایتِ اسباب سے منع نہیں کرتے مگر اس پر بھروسہ کرنے سے منع کرتے ہیں۔دل بایار اور دستِ باکار والی بات ہونی چاہئے۔لیکن حال میں دیکھا جاتا ہے کہ زبانوں پر تو سب کچھ ہے توکّل بھی ہے۔توحید بھی ہے مگر دل میں مقصود بالذّات صرف دنیا کو بنا رکھا ہے۔رات دن اسی خیال میں ہیں کہ مال بہت سامل جاوے۔عزت دنیا میں حاصل ہو۔یہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ ہم زہر کھا رہے ہیں جس نے ہلاک کر دینا ہے۔ہماری شریعت اور ہمارا دین دنیا میں کوشش کرنے سے نہیں روکتے صرف اتنی بات ہے کہ دین کو مقدم رکھ کر اگر کوشش کرے تو تلاش اسباب جرم نہیں ہاں ایسے طور پر جسے خدا نے حرام ٹھہرایا ہے نہ ہو۔جیسے کہ رشوت اور ظلم وغیرہ سے روپیہ کمایا جاتا ہے۔اگر خدا کی راہ میں صرف کرنے، اولاد پر خرچ کرنے اور صدقات وغیرہ کے لیے تلاش اسباب کی جائے تو ہرج نہیں کیونکہ مال بھی تو ذریعہ قربِ الٰہی ہوتا ہے مگر خدا کو بالکل چھوڑ دینا اور بالکل اسباب کا ہو رہنا یہ ایک جذام ہے اور جب تک کہ قبض روح نہ ہو جاوے اس کی خبر نہیں ہوتی۔خدا سے ڈرنا اور تقویٰ اختیار کرنا یہ بڑی نعمت ہے جسے حاصل کرنا چاہئے اور متکبر گردن کش نہ ہونا چاہئے۔

اخلاق دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہیں جو آج کل کے نو تعلیم یافتہ پیش کرتے ہیں کہ ملاقات وغیرہ میں زبان سے چاپلوسی اور مداہنہ سے پیش آتے ہیں اور دلوں میں نفاق اور کینہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔یہ اخلاق قرآن شریف کے خلاف ہیں۔دوسری قسم اخلاق کی یہ ہے کہ سچی ہمدردی کرے۔دل میں نفاق نہ ہو اور چاپلوس اور مداہنہ وغیرہ سے کام نہ لے جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی (النحل:91) تو یہ کامل طریق ہے اور ہر ایک کامل طریق اور ہدایت خدا کے کلام میں موجود ہے جو اس سے روگردانی کرتے ہیں وہ اور جگہ ہدایت نہیں پا سکتے۔اچھی تعلیم اپنی اثراندازی کے لیے دل کی پاکیزگی چاہتی ہے جو لوگ اس سے دور ہیں عمیق نظر سے اُن کو دیکھو گے تو اُن میں ضرور گند نظر آئے گا۔زندگی کا اعتبار نہیں ہے۔نماز، صدق و صفا میں ترقی کرو۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 197-200)

اللہ تعالیٰ ہمیں اِن نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دیتا رہے۔آمین

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔جرمنی)